رجسٹرڈ نمبر ۲۰۳۷ اے

بنام منشی منظور علی علوی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر
خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بمصر پادشاہی می کرد
می گفت گدا بودن کنعاں خوشتر

پانزدہ روزہ

کاکوری اخبار

جلد — شنبہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ — نمبر ۱۴

ادبیات

رباعیات

از مولانا درد کاکوروی

خالق کا مظہر ہے اس کی میں جلوہ ہے
ہر ایک میں صحرا ہے ہر اک قطرہ میں دریا ہے
ہماری کیا حقیقت درد اگر ہم غور سے دیکھیں
خدا خود ہے بڑا شاعر حقیقت اس کا نغمہ ہے

مذکرے بیہودہ ہیں شعرا سے منقولات کے
جو ہر اسکے روبرو ہیں حسن معقولات کے
عام نظروں دیکھنے سے درد قاصر ہیں مگر
ہے نظر شاعر کی تہ میں جملہ موجودات کے

فطرت کی یہ کائنات ظاہر ہی نہیں
باطن بھی کوئی چیز ہے ظاہر ہی نہیں
اے درد محبت پہ ہے موقوف احساس
جس دل میں نہ ہو درد وہ شاعر ہی نہیں

از قدر کاکوروی

ہمسفیران چمن سن لو زبانی میری
دکھ بھری بیچی سی ہے ایک کہانی میری
چشم پرنم کی قسم حسرت و ارماں کی قسم
گل گلزار نے لوٹی ہے جوانی میری

پیغام عمل

(قادری احمد محسن علوی ایڈیٹر بمبئی)

عزلت نشینی اور تسبیح و زنار کی سبحہ گردانی سے حاصل — ؟

دیر و حرم کے محدود گوشہ میں خدا کی تلاش کرتا ہے — !

اے نادان طالب وصل! اس تنگ و تاریک پر سکون گوشہ عافیت میں ہمہ تن

مصروف عمل کا درلایزال کی جستجو کرنا محض عبث ہے — !!

اگر تو اسی پر آمادہ ہے کہ جلوہ ایزدی سے درس وحدانیت حاصل ہو جائے۔

تو آ۔ اسے وہاں تلاش کرنے کی کوشش کر جس جگہ مفلوک الحال کاشتکار

ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بنجر زمین کو قابل کاشت بنا رہا ہے۔ یا۔ اس

سنگ تراش کے پاس جا جو محنت و جانفشانی کے ساتھ مخلوق خدا کی راحت و آرام

کے خاطر سنگلاخ نا قابل گذر راستوں کو ہموار کر رہا ہے۔!!!

اگر تیرا پاکیزہ صورت گرد آلود ہوتا ہے تو ہو جانے دے۔ تو جستجو کر۔

اور مستقل مزاجی کے ساتھ زمانہ کے گرم و سرد کا مقابلہ کرتا آ کہ اپنے مقصد

میں کامیابی حاصل کرلے۔

حریت۔ آزادی اور نجات — !

مالک حقیقی نے اپنی ذات کو تخلیق عالم کے مقدس فریضہ کیواسطے وقف

کردیا ہے جب اصل خود ہی پابند ہے تو فرع کی آزادی کا سوال قطعی

موہوم اور بے محل اور لایعنی ہے — !! ہم اسکے پابند ہیں — چھوڑ دے! بھاگ ان جھگڑوں سے!! کہاں کا مراقبہ — ※

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد | کاکوری اخبار | نمبر ۱۴

اُردو افسانہ نگاری

(مولوی تحسین الدین علوی صاحب، بی۔ اے۔)

ابھی چند ہی روز ہوئے کہ ہم اُردو افسانہ نگاری کی بے بضاعتی پر شاکی تھے اسکا سبب یہ تھا کہ ارباب علم و فضل نے اسے اک نگہ غلط انداز کے بھی لائق نہ سمجھا۔ تذکرہ علمیہ اور مباحث فلسفیانہ کے میدان ہی انکی جولانیوں کے لیے کیا کم تھے۔ جو وہ اسطرف ملتفت ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو ادب کی تخلیقی کارناموں کی تعداد طلسم ہوشربا۔ فسانہ آزاد۔ قصہ چہار درویش وغیرہ وغیرہ تک محدود رہی۔ الحمدللہ وہ دور ختم ہوگیا اب اُردو فسانہ نگاری کو روز بروز فروغ ہو رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ کسی زمانہ میں مغربی فسانہ نگاری کے دوش بدوش ترقی کرنے لگے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی اُردو فسانہ نگاری کیلئے ایک درخشاں مستقبل کی امید کرنا ابھی چند عرصہ تک تو اک خیال خام ہی معلوم ہوتا ہے۔ در اصل اسوقت کا موضوع ان اسباب پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ہے۔ جو ہماری اُردو افسانہ نگاری کی ارتقا اور نشو و نما میں حارج ہیں۔

یہ امر تو ہر شخص پر روشن ہے کہ فسانہ در اصل کسی ملک یا قوم کی معاشرت تمدن، اخلاق، عادات و اطوار وغیرہ کی ایک سچی تصویر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جسقدر تصویر دلچسپ اور جاذب نظر ہوگی اسیقدر اسکا عکس بھی دلچسپ اور جاذب نظر ہوگا۔ ہندوستانی افسانہ نگار کو منجملہ دیگر دقتوں کے ایک اس دقت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ قارئین کرام کا ایک طرف تو اصرار ہوتا ہے کہ افسانہ میں سوسائٹی اور مقامی خصوصیات کی شان موجود ہو اور اگر وہ اس فرض سے عہدہ برآ بھی ہو جاتا ہے تب دوسری طرف اسپر صداقت شعری اور محاکات کا اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے کا الزام رہ جاتا ہے۔ کیونکہ بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ صداقت شعری کے یہ معنی نہیں کہ بدتر سے بدتر اور رنگین سے رنگین امر کی ہو بہو تصویر پیش کر دیجائے بلکہ یہاں پر افسانہ نگار کو اپنی قوت ممیزہ سے کام لینا چاہیے۔ اسکے بعد پھر افسانہ نگار کی جدت طرازی اور قوت اختراع کے امتحان کی باری آتی ہے بدقسمتی سے ہندوستانی معاشرت میں کسی قسم کا تنوع کا سراغ لگانا عبث ہے۔ یہاں بھی اسے اک محدود دائرہ میں رہ کر اپنی کارگذاری دکھانا پڑتی ہے عشق و محبت کے افسانے میں اسے انہی فرسودہ اصول اور معاشرت کے قوانین کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ بیشتر تو یہی اتفاق ہوتا ہے کہ اسے عاشق و معشوق کے نامہ و پیام کے لیے اپنے افسانے میں اک تیسری ہستی کو روشناس کرانا پڑتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہ ہستی عموماً فرقۂ اناث سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ معاشرت کے قوانین اب تک آیات قرآنی کی طرح آنکھوں سے لگائے جاتے ہیں۔ بھلا عاشق یہ کب گوارہ کرسکتا ہے کہ انکی محبوبہ کسی مرد کے سامنے برافگندہ نقاب آجائے۔ اسکے بعد اک جائے ملاقات تجویز کیجاتی ہے اور یہ تمام امور وہی پرانے اصول اور تدابیر کی تحت انجام پاتے ہیں جو ایک عرصہ سے رائج ہیں۔ اب غور فرمائیے افسانہ کو ان تمام باتوں سے گراں بار کرنا اور پھر اسپر شکایت کہ اس میں جدت و اختراع کا فقدان ہے، کس قدر ستم ظریفی ہے۔ بعض حضرات کو تو یہاں تک دیکھا ہے کہ اردو افسانوں سے اک عجیب تکدر کا اظہار کرتے ہیں اور اگر افسانہ عشق و محبت پر مبنی ہے تو وہ اسکا پلاٹ، اور اسکے کرداروں کی خصوصیات پڑھنے سے پیشتر ہی بتلا دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ سطور بالا کے جواب میں چیخوف، گورکی اور ٹالسٹائی وغیرہ کے نام نامی پیش کیے جائیں۔ بلاشبہ ان روسی افسانہ نگاروں کے افسانے زیادہ تر خانگی اور دیہاتی زندگی پر مبنی ہیں لیکن اسکے باوجود بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ روسی زندگی ہندوستانی زندگی سے کہیں زیادہ رومان انگیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مندرجہ بالا افسانہ نگاروں نے اپنی قوت تخیل اور ملکہ کردار نگاری سے روسی ادب میں نہایت ہی قیمتی اضافہ کردیا ہے۔ مگر یہاں پر صرف اتنا مقصد ہے کہ اُردو افسانہ نگاری پر اجتماعی پہلو سے اک نگاہ ڈالی جائے ورنہ ہندوستانی افسانہ نگاروں میں بھی منشی پریم چند آنجہانی کے قصے کے تار و پود عموماً سادگی مگر سچی ہندوستانی زندگی سے بنتے ہوتے ہیں۔ مگر

اسکے باوجود بھی اس سے ہندوستانی افسانہ نگاری کی مجموعی ترقی پر کوئی زیادہ اثر نہیں پڑتا۔

اب اُردو ادب کے معاشرتی افسانے تو ان بلاؤں میں گرفتار ہیں اب دیکھنا چاہیے اس میں رومان کی نشو و نما کس حد تک ہے۔ یہاں رومان سے مراد غیر فطری اور ان قصوں سے نہیں جن کا دارومدار مافوق الفطرت واقعات پر ہوتا ہے بلکہ یہاں رومان سے مراد ان افسانوں سے ہے جو جوش اور تحریک سے مالامال ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے اُردو ادب کا دامن اس قسم کے رومانی افسانوں سے خالی ہے۔ اور اگر ان کی کچھ تعداد ہے بھی تو وہ انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ رومان بھی ہماری مجموعی تمدن اور اخلاق و اطوار کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ دوسرے ممالک حیات کے ہر ایک شعبہ میں روز افزوں ترقی کر رہے ہیں سائنس کی ترقی اور زمانہ حال کی حیرت انگیز ایجادوں نے در اصل خطۂ ارض کو بالکل بدل دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہندوستان ابتک انہیں کہنہ اصول اور فرسودہ عقائد کی لکیروں پر اپنی کورنگاہی سے چیل قدمی کر رہا ہے۔ ویسی حالت میں بھلا کیسے ممکن ہے کہ ہندوستانی افسانہ نگار ملک کے جمود اور بے حسی کو یک لخت نظر انداز کر دے۔ کس قدر مضحکہ انگیز بات ہوگی اگر وہ اپنے افسانے کے ہیرو اور ہیروین خورشید و ثریا کو ہوائی جہاز پر بٹھائے اور پھر ان دونوں کے دلوں میں ہمت مردانہ کا دریا ایسا جوش مارنے لگے کہ وہ قطب شمالی اور قطب جنوبی ایسے برفستانی مقامات تک فراٹے بھرتے نظر آئیں۔ یا وہ انھیں مغربی سیاحوں کی تقلید میں افریقہ کے تاریک براعظم میں پاپیادہ سفر کرتے ہوئے دکھائے کہنے والے کہیں گے یہ سات پردوں والی بیگم سات سمندر پار کہاں جا پہونچی اور یہ بیان خورشید جو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ منتقل ہونا دریائے شور کی سزا کے برابر سمجھتے ہیں ایسے جری اور بہادر کس طرح ہو گئے۔

ایک طرف ہندوستانی افسانہ نگار کو تو یہ دقتیں دوسری طرف مغربی افسانہ نگاروں کی آسانیاں ملاحظہ ہوں کہ انہیں پلاٹ طیار کرنے کے انجام میں کسی قسم کی غیر معمولی کاوش سے سابقہ نہیں پڑتا تھیٹر، سنیما گھر، سرکس، بزم رقص و سرود کی محفلیں ایسی جگہیں ہیں جو مغربی افسانہ نگار کے لئے کافی سامان مہیا کر دیتی ہیں۔ اور پھر وہ اپنی قوت تخیل کو

نقوش

قابل توجہ چیرمین ٹاؤن ایریا کمیٹی

ہمارے پاس متعدد شکایتیں پہونچی ہیں کہ قصبہ میں روشنی کا انتظام بہت خراب ہے۔ اور بہت سی لالٹینیں روشن نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں کہ قصبہ میں چوروں کے حملے سنے جاتے ہیں۔ اندھیری رات میں لالٹینوں کا روشن نہ ہونا بہت بُرا ہے

ذمہ دار لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کچھ لالٹینیں خراب ہو گئی ہیں اور کچھ کے بریکٹ بنوائے جا رہے ہیں۔ تاہم ہم چیرمین صاحب کو پبلک کے جائز شکایت کیجانب خاص طور پر توجہ دلاتے ہوئے تجویز کرتے ہیں کہ جمعدار و بخشی کو رات میں اسکی اطلاعات بہم پہونچانے کی تاکید کریں کہ کون کون سی لالٹینیں روشن ہوئیں اور کہاں روشنی نہیں ہوئی ہے ساتھ ہی پبلک کا بھی یہ فرض ہونا چاہیے کہ اپنے اپنے محلہ کے متعلق روشنی و صفائی کی دیکھ بھال کرتے رہیں اور وقتاً فوقتاً چیرمین کو اطلاع دیا کریں۔

پورانی لالٹینوں کے علاوہ اس سال جو نئی لالٹینیں لگانا تجویز ہوا ہے وہ بھی ۶ - ۷ ماہ گذرنے کے بعد ابھی تک نہیں لگائی جا سکی ہیں ان کا بھی جلد انتظام ہونا چاہیے۔

۴ اور کردار نگاری سے اپنے افسانے میں جان ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ اسکی توجہ تمام تر افسانے کی دیگر جزئیات سے متعلق ہوتی ہیں برخلاف اسکے ہندوستانی افسانہ نگار کو خاکے کی ترتیب میں کافی کاوش سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ اُسے خشک اور غیر دلچسپ پلاٹ کو دلچسپ بنانے میں ذرا بھی فرو گذاشت نہ کرنا چاہیئے اس پر بھی بمصداق کوہ کندن و کاہ برآوردن، بمشکل تمام وہ قارئین کی تفریح طبع کا باعث ہوتا ہے۔

مغربی افسانہ نگاروں کے افسانے کی بنیادیں اب اکثر سائنس کی حیرت انگیز ایجادوں پر ہونے لگی ہیں خصوصاً بعض موجودہ انگریزی افسانوں کی تمام تر دلچسپیوں کا باعث (بقیہ مضمون صفحہ ۸ پر ملاحظہ ہو)

واجد علیشاہ اختر

(از کے۔ ایم۔ بشیر احمد علوی تمؔر کاکوری بی اے علیگ)

گذشتہ سے پیوستہ

جانعالم کو رعایا کی فلاح و بہبود کا ہر دم خیال رہتا تھا عوام کی دلچسپی کی خاطر ۱۸۴۸ء میں قیصر باغ کی تعمیر شروع کی اور جب ۱۸۵۰ء میں تکمیل کو پہونچی تو جوگیوں کا میلہ ترتیب پا گیا جانعالم خود نفس نفیس جوگیوں کے لباس میں کرسی زرنگار پر زینت افروز ہوئے اور سکندر بیگم اور دیگر محبوب محلات جوگنیں بنیں اور مخلوق کو جوگیانہ لباس میں تماشہ دیکھنے کی اجازت دیگئی یہ میلہ تین سال تک ساون کے مہینہ میں ہوتا رہا اس میلہ کے بعد کرشن لیلا کی طیاریاں ہوئیں کئی لاکھ کے ساز و سامان سے ایک شب کرشن لیلا منعقد ہوئی محلات جلسوں میں جلوہ افروز تھیں ماہ رخ پری نے سری کرشن کا لباس سجا کے مکٹ پہنا اور سلطان پری نے اپنے آپ کو رادھا کی صورت بنایا عشرت پری دلربا پری حور پری اور مہ لقا پری رادھا کی سہیلیاں تھیں اس تمثیل نے ایسا قدرتی منظر پیش کر دیا کہ تماشائی عالم وجد میں آگئے اور ہندوؤں نے واجد علیشاہ کو کنہیا کا اوتار تصور کر کے سورج کنڈ پر جو چھتر منزل کے شمال میں ہے ایک بہت بڑا ہون کیا جو شاہی حکم سے ہر سال انتزاع سلطنت تک ہوتا رہا۔

لکھنؤ والے جانعالم پر جان دیتے تھے چنانچہ جب ۱۱ فروری ۱۸۵۶ء کو اودھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا گیا اور صاحب عالم کلکتہ بھیجدیئے گئے تو لکھنؤ میں کہرام مچ گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اپنا کوئی عزیز قریب بچھڑ گیا منجمین نے سعادت رفتہ از نجم سعادت سے اس واقعہ کی تاریخ نکالی۔

جانعالم کی ظاہری حالت اور انتزاع سلطنت کو دیکھ کر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اب شاہانہ عیش و نشاط اس مٹیا برج میں کہاں میسر ہوگا۔ لیکن حقیقت آگاہ اشخاص بخوبی جانتے ہیں کہ اس نزاکت اور کمی گذری حالت میں بھی تا دم مرگ واجد علیشاہ نے اپنی کسی عادت اور کسی شغل میں فرق نہ آنے دیا مسٹر ازراد کا بیان ہے کہ اس غریب الوطنی میں بھی بیس ہزار متوسلین جانعالم کے ہمرکاب تھے اور سب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا تھا جو لکھنؤ میں مقرر تھا

مرحوم اختر نگر کے مقابلہ میں مٹیا برج میں گو نسبتاً غربت کی ہوائیں چل رہی تھیں لیکن اس مٹی ہوئی حالت میں بھی جانعالم کی خوش سلیقگی نے اسکو رشک مقام کو باغ ارم بنا دیا تھا مزید برآں محلات کی شان و اسباب آرائش کی افزائش بھی الغرض وہ کیا شے تھی جو مٹیا برج میں میسر نہ تھی اور کون سی شان و شوکت تھی جو وہاں نمایاں نہ تھی صاحب عالم کو جانوروں کا بہت شوق تھا چنانچہ آپ کا چڑیا خانہ ایسا نادر و بے مثل تھا کہ اکثر یورپ کے سیاح اسے دیکھکر صاحب عالم کے حسن مذاق اور تلاش کی داد دینے پر مجبور ہوتے تھے

جانعالم کے ۴۹ شاہزادے اور ۴۳ شاہزادیاں مختلف محلات سے تھیں جنکی فہرست تاریخ کے خاموش صفحات میں موجود ہے انکے علاوہ بھی بہت سے اور مرشدزادے تھے جن کا درجہ دربار شاہی میں مقرر نہ تھا۔

کلکتہ میں سلطان عالم واجد علیشاہ ۱۸۵۶ء ۱۳ مئی سے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۷ء تک اکتیس سال مقیم رہے اور ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو بوقت نو بجے شب جانعالم نے ۶۷ سال کے سن میں پردیس میں اپنی متاع حیات جان آفریں کے سپرد کردی اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ سبطین آباد واقع مٹیا برج میں سپرد خاک ہوئے۔ باقی رہے نام اللہ کا فقط

"دبیر حسن"

از مصلح الدین احمد امیر

گذشتہ سے پیوستہ

۔ گر گیا کوئی حریف کسی قلعہ پر گولہ باری کر رہا ہے جس سے سارا قلعہ مسمار ہوتا چلا جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ توپ کی سی ہزارہا آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں اور سارا عالم دھواں دھار خاک سیاہ نظر آتا تھا مگر باایں ہمہ اب تک میری جسمانیت سے ان لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا میری روحانیت مضروب ضرور تھی میرے ہوش و حواس باختہ تھے میں بالکل پاگل ہو چکا تھا دیوانگی نے مجھے گھیر لیا تھا میرے ہاتھ پاؤں جواب دے چکے تھے اور میں اپنے آپکو موت کے منہ میں پا رہا تھا کوئی آدھ گھنٹے تک یہ منظر میرے روبرو رہے ہونگے کہ مجھے یکایک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نامعلوم قوت نے مجھے نیچے سے اوپر کیطرف اچھال دیا اب میں ایک مکان کی چھت پر خاموش و بیجان ہستی کیطرح پڑا ہوا اگلی موت کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک مقدس بزرگ ہستی نے مجھے (بقیہ مضمون صفحہ پر ملاحظہ ہو)

گذشتہ بزرگ ہستیوں کا اخلاق

(از منشی محمد شفیع علوی صاحب قمر کاکوروی)

اگرچہ زمانے کی رفتار نے خیالات کو اس قدر بدل دیا ہے کہ اب اگلے زمانے کی روش کو زمانہ موجودہ کے پرستار اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور اعتراضات کی وہ بھرمار کرتے ہیں کہ بعض اوقات تو جواب دینے کو دل نہیں چاہتا ہے لیکن پھر بھی مجبوراً کچھ الفاظ منہ سے نکل ہی جاتے ہیں گو وہ اس زمانے کے نوجوانوں کو ناگوار گذرتے ہیں اگر خوش قسمتی سے کسی والا کوئی دولت مند اور صاحب اثر بزرگ ہے تو خیر مجبوری تمام سن لیتے ہیں ورنہ جواب کے واسطے فوراً مستعد مجھے اس موقع پر ایک بزرگ ہستی کا واقعہ یاد ہے جس کا تعلق راقم الحروف سے ہے وہ میرے کسی قریب عزیز کا نقل نہیں ہے جس کی بابت شک کیا جائے کہ اپنے خاندان کے بزرگوں کی تعریف کرنا مدنظر ہے اسواسطے یہ قصہ لکھا ہے۔

اس قصبے میں ایک معزز خاندان قاضی زادگان کا ہے جو عرصہ دراز سے آباد ہے اور اس میں بڑے بڑے مقتدر و معزز صاحب جاہ و حشمت گذرے ہیں جن کے کارنامہ اکثر بزرگوں سے سنے گئے ہیں۔

اگرچہ اپنے آنکھوں سے کوئی زائد تجمل و احتشام نہیں دیکھا تاہم بڑے بڑے عہدہ و منبر مقرر پایا اور خاندانی لقب و عہدہ قضا پر مامور دیکھا اور صاحب جاگیر دار بھی تھے اور اب تک بعض اچھے عہدہ و منبر ہیں۔ خدا چشم حسد سے محفوظ رکھے۔ آمین

راقم الحروف کا سن دس بارہ سال کا تھا کہ ایکروز جناب قاضی وحید علیخاں صاحب مرحوم کے مکان پر چلا گیا اور ادہر اودہر گھومتا ہوا اتفاق سے انکی نشستگاہ کے سامنے سے گذرا بزرگ موصوف نے مجھکو اس طرف دیکھا اور ادب سے سلام کرکے دوسری طرف کھیلتا ہوا چلا گیا جناب مرحوم نے فوراً ایک آدمی کو بھیجا کہ جاؤ جو وہ لڑکے اسطرف ابھی گذرے ہیں ان کو بلا کر ہمارے پاس لاؤ چنانچہ میں دوسری طرف کے فلاں مکان میں کھیل رہا تھا ایک آدمی گیا اور مجھے اور انکے پوتے کو جن کا نام افتخار احمد خاں (مرحوم) تھا بلائے گیا۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو اونھوں نے مجھ سے میرا نام پوچھا اور میرے والد صاحب کا نام پوچھا بعدازاں میرے دادا صاحب مرحوم جو اسوقت تک بقید حیات تھے ان کا مزاج اور گھر کی خیر و عافیت یکے بعد دیگرے دریافت کی اور اپنے پاس بڑی شفقت سے بٹھایا اور اپنے پوتے سے فرمایا کہ یہ تمہارے دوست تمہارے مکان پر اتنی دور چلکر ملنے کو آئے ہیں اور تم نے ان کی دعوت و تواضع نہیں کی تم کیسے دوست ہو انکو گھر میں سے گئے ہوتے سب مستورات ان کے سامنے ہوتی ہیں اچھی طرح سے خاطر مدارات کی ہوتی افسوس ہے کہ تم لوگ بڑے بداخلاق ہو دنیا چند روزہ ہے خاطر تواضع بہت عمدہ چیز ہے۔

اور اسکے بعد ہی اپنے ملازم خاص کو حکم دیا کہ وہ ایک پلیٹ میں شیرینی لایا جو مجھے خود اپنے دست شفقت سے عطا فرمائی اور بہ اصرار تمام کھانے کو فرمایا اور دیر تک مجھ سے تمام باتیں اخلاقی طور سے پوچھیں پڑھنے لکھنے کا حال دریافت کیا اور وہ مٹھائی میرے ساتھ کر دی اور بعدازاں اپنے پوتے سے فرمایا کہ آجکل آموں کی فصل ہے انکو اوس باغ میں لیجاؤ اور انکو جو آم پسند آویں کھلاؤ اور کچھ انکے ہمراہ کر دینا اور خاص طور سے ایک آدمی کو ہمراہ ہم دونوں کے کرکے باغ بھجوا دیا اور فرمایا کہ باغبان سے کہدینا کہ جو آم یہ پسند کریں انکو دے دو اور اچھے اچھے آم انکے ہمراہ کرکے گھر تک پہونچا دو۔

مکان پر آکر میں نے جناب دادا صاحب مرحوم سے یہ کل واقعات بیان کیے تو اونھوں نے بھی اپنے خاندانی تعلقات و یگانگت کا ذکر فرمایا اور بہت دیر تک اگلے زمانے کی صحبتوں و اخلاق کا تذکرہ فرماتے رہے۔

آجکل کے لڑکے بزرگوں کی صورت سے وحشت کرتے ہیں انکا اسطرف گذرنا بھی دشوار ہے۔ یہ خطرہ اب نوجوانوں کے دلوں میں آتا ہے کہ اگر اسطرف آگئے اول تو کسیقدر ادب کرنا پڑے گا۔ دوسرے سلام کرنا پڑے گا۔ اور اگر کوئی سوال انھوں نے بیجا کیا تو جواب دینے کے لئے کوئی مضمون ایجاد کرنا پڑے گا۔ اسوجہ سے ایسے بزرگوں سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔ اور انکے پاس جانا تو بدترین گناہ ہے اسیطرح اور بزرگوں کے واقعات ہیں جو آئندہ بشرط فرصت انشاء اللہ تعالیٰ ختم ہوں گے یہ ایک طرح کا سبق ہے اگر اوس سے کوئی نتیجہ

ادبی لطائف

از سید عظیم الدین احمد متعلم

(۱) جہانگیر شہنشاہ ہندوستان کی پیاری بیگم نورجہاں کو قسام ازل نے طبیعت موزوں عطا کی تھی اور ذوق سلیم سے کافی بہرہ ور تھے چنانچہ دونوں گاہے گاہے چمنستان سخن میں خوب چہچہاتے ایک دن کا ذکر ہے کہ جب شہنشاہ مذکور ایوان شاہی میں تشریف لیگئے دیکھا کہ نورجہاں سہری زرنگار پر شراب حسن سے مخمور محو خواب ناز ہے اور خواصوں میں سے کسی کی جرأت اس کو بیدار کرنے کی نہیں پڑتی ہے چنانچہ جہانگیر نے اس کے شانۂ نازک کو ہلایا تو اس نے سرگیں آنکھیں کھول دیں شاہ نے فی البدیہ یہ شعر پڑھا ؎

تو مست بادۂ حسنی بلشکر ما ایں دو نرگس را
کہ بر خیزند از خواب و نگہ دارند مجلس را

نورجہاں نے ادائے جانانہ سے انگڑائی لے کر برجستہ جواب دیا ؎

مکن بیدار اے ساقی زخواب ناز نرگس را
کہ بد مست اندو برہم میزنند احوال مجلس را

(۲) ایک بار نورجہاں کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں سرمہ دنبالہ دار سونے میں سہاگہ کا کام دے رہا تھا کہ ایک کنیز نے کسی شاعر کی طرف سے ایک طرح کا مصرع پیش کیا ع) دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

نورجہاں نے ابلق موتی کی تلاش کیلئے دریائے فکر میں ہزاروں غوطہ لگائے مگر مضمون ہاتھ نہ آیا۔ آخرش آنکھوں سے آنسو امنڈ امنڈ کر اس کے بھولے بھولے نظر فریب رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے زمین پر گرنے لگے۔ سرمہ آمیز سفید و سیاہ اشک دیکھ کر فوراً گوہر مضمون پیدا ہوگیا اور برجستہ نورجہاں کی پیاری زبان سے نکل گیا

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشک بتانِ سرمہ آلود

(۳) ایک دفعہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر خلد مکان قصبہ کراند کی طرف بغرض سیر و شکار تشریف لے گئے اور ایک مقام پر فروکش ہوئے حسن اتفاق سے چند بازیگروں نے اپنے عجیب و غریب کمالات دکھانیکی اجازت چاہی چنانچہ امرا کی سفارش سے وہ لوگ باریاب ہوئے، بازیگر کی ایک نوجوان حسین سہ پارہ لڑکی تھی جو ایک علم پر چڑھکر اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے لگی اور پھر ایک چھلانگ مار کر ایک لکڑی کے تختے پر جو کچھ فاصلے پر لگا تھا پہونچ گئی اس موقع پر ایک نوجوان لڑکا بھی جو اسی قصبہ مذکور کے کسی علمی خاندان کا چشم و چراغ تھا موجود تھا، اُسے یہ دلفریب منظر بہت بھایا، برجستہ اس نے یہ رباعی کہی ؎ رباعی ؎

آں دلبر بوالعجب کہ ماہ زیباست | بالائے علم چوں گل بشاخ رعناست
نے نے غلطم کہ آفتاب محشر | یک نیزہ برآمد و قیامت پیداست

(۴) اہلی شیرازی نے ایک حسین مہ جبین خاتون سے شادی کی۔ وہ خاتون حقہ پینے کی بہت شوقین تھی اور اس کے پینے میں نہایت تکلف سے کام لیتی تھی نکاح کے ایک دو دن بعد اہلی شیرازی شام کے وقت گھر آئے دیکھا کہ بیگم ادائے خاص سے بیٹھی حقہ پی رہی ہے اور اس کے دھوئیں میں اس کا روئے روشن ایسا نظر آرہا ہے جیسے ماہتاب پر ہلکے ابر کا پردہ پڑا ہو۔ دھواں اس کے حسن کی چمک کو بالکل نہ چھپا سکا۔ اہلی کو یہ منظر بہت پیارا معلوم ہوا اس نے یہ دو اشعار فی البدیہ کہے ؎

قلیاں زلب تو بہرہ ور میگردد | نے در دہن تو نیشکر میگردد
برگرد رخ تو دودِ تنباکو نیست | ابریست کہ بر گرد قمر میگردد

(۵) مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں کسی موقع پر خالصہ جی نے یہ مطالبہ کیا کہ دربار کی زبان فارسی کے بجائے گورمکھی قرار دی جائے مہاراجہ کے دربار میں ایک مسلمان مشیر بھی تھے انھیں حکم ملا کہ آپ ذرا دیکھیں تو سہی کہ فارسی کی جگہ اگر گورمکھی دفتری زبان ہوجائے تو کچھ نقص تو نہ ہوگا؟ یہ وزیر تھے بڑے اندیر انھوں نے ایک بہت بڑے گورمکھ کو بلوا کر گورمکھی میں "میاں قطب الدین سلمہ اللہ تعالیٰ" لکھنے کو کہا اُسنے جھٹ لکھ کر پیش کردیا۔ اب ایک دوسرے گورمکھی داں سکھ کو بلوایا گیا اور اس کو یہ کاغذ پڑھنے کو دیا گیا وہ دیکھ کر خاموش بیٹھا رہا۔ مہاراج نے کہا کہ ہمیں پڑھ کر سناؤ اس نے کہا حضور! یہ تو گالیاں لکھی ہیں۔ حکم ہوا مضائقہ نہیں پڑھو جناب میاں قطب الدین سلمہ اللہ تعالیٰ کو اس نے یوں پڑھا "میاں کتا بے دین تو میرا سالا میں تیرا سالا" دیکھیں

(۶) ایک شوخ و شریر لڑکا ایک مولویصاحب کے پاس پڑھتا تھا ایکروز شاگرد نے یہ حرکت کی کہ ایک بہت موٹی تازی مرغی پکڑ کر مولویصاحب کے پاس لیگیا اور اُنسے کہا یہ آپکے نذر کرتا ہوں مولویصاحب نے کہا کہ میں نہیں لونگا، شاگرد نے کہا کیوں؟ کہا سارے بستی میں شرارت نہیں ہے ایسے لیتا ہوں بہت سی مرغیاں پلا ہوا ہوں اسکو تم اپنے ہی پاس گھر میں رکھو مگر مولویصاحب کو معلوم ہوا کہ آج انکی ایک مرغی گم ہوگئی ہے

وطن کی خبریں

نوٹ۔ اعزہ، احباب، و سب اہل وطن سے جو باہر ہیں خواہ وطن میں گذارش ہے کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبریں اور اطلاعات دفتر میں روانہ کرکے مشکور کرتے رہیں۔ (ایڈیٹر)

موسم۔ ابھی تک قابل ذکر سردی نہیں پڑی دن کے ابتدائی گھنٹوں میں کچھ گرم کپڑے کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے رات کو اب تک برآمدہ میں رضائی اوڑھ کر سونے میں تکلیف نہیں ہوتی۔ مجموعی حیثیت سے موسم خوشگوار ہے۔

آب و ہوا۔ کوئی خاص شکایت نہیں سنی گئی۔ معمولی نزلہ زکام ہونیکی اطلاعات ملتی رہتی ہیں

تراویح | چونکہ ۲۹ر شعبان بروز پنجشنبہ چاند نظر نہیں آیا اسلئے قصبہ کی مسجدوں میں جمعہ کو تراویح شروع ہوئیں بہت سی مساجد میں حفاظ نے کلام پاک بھی شروع کیا۔

ولادت | اہلیہ میر افتخار علی خلف میر امان علیصاحب (اولی نگر) کے یہاں ۲۸ و ۲۹ر اکتوبر کی درمیانی شب میں ایک لڑکا بمقام کاکوری پیدا ہوا اور دوسری لڑکی ۳۰ر اکتوبر کو قریب دوپہر بمقام لکھنؤ مشن اسپتال میں پیدا ہوئی۔ دونوں بچوں کی ولادت کے درمیانی وقفہ میں زچہ کیحالت بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنا بڑا فضل کیا اب بفضلہٖ زچہ اور دونوں بچے بخیریت و تندرست ہیں۔

دیوالی | دیوالی کا تیوہار ہندو برادران وطن نے کافی جوش و خروش سے منایا اپنے اپنے گھروں کو چراغاں کیا حلوائیوں کی دوکانیں خصوصیت سے آراستہ نظر آتی تھیں اور روشنی بھی معقول تھی۔ جوئے کی پھڑیں اب کی عام طور سے محلوں اور دوکانوں میں کم نظر آئیں لیکن کہا گیا ہے کہ مخصوص مقامات پر خاص طور پر اہتمام و انتظام تھا اور خوب خوب چھکے پنجے ہوئے۔

صحت و سکون | (۱) بیگم حبیب اللہ صاحبہ ایم۔ ایل۔ اے، جن کا بہت بڑا اپریشن ۲۰ر نومبر سنہ ۳۶ کو کوئین میری اسپتال میں ہوا تھا بفضلہ تعالےٰ رو بصحت ہیں ابھی موصوفہ کم از کم دو ہفتہ اسپتال ہی میں رہیں گی۔ زخم بتدریج مندمل ہو رہا ہے اللہ تعالےٰ جلد بالکل صحیح و تندرست کرکے اسپتال سے باہر لائے۔

(۲) قاضی انتظار علیخاں عباسی کا مزاج اب بفضلہ تعالےٰ اچھا صرف خفیف ضعف باقی ہے۔ خداوند کریم جلد قوت عطا فرمائے۔

(۳) بیوہ قاضی اعجاز علیخاں مرحوم کو بتدریج ضعف میں کمی محسوس ہو رہی ہے ابھی دیرینہ شکایات میں کچھ زیادہ خفت انتوں کے نکل جانے کے بعد نہیں معلوم ہوتی۔ باری تعالےٰ بالکل ازالہ مرض کرکے مطمئن فرمائے۔

انتقال | (۱) گذشتہ اشاعت میں حکیم مولوی وصی علی علوی کے علیل ہونے کی اطلاع درج ہوئی تھی معلوم ہوا کہ بائیں جانب فالج کا شدید حملہ ہوا تھا کہ ۳۱ر اکتوبر و یکم نومبر کی درمیانی شب میں ۱۰ بجے رات کو داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ و انا الیہ راجعون یکم نومبر کو ۱۱ بجے اٹاوہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے اور پرانی یادگار کا نمونہ کہے جانے کے مستحق تھے۔ اہل اٹاوہ کو آپ سے خاص عقیدت تھی اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ نظارت سے پنشن یاب ہونے کے بعد وہیں مطب کرتے رہے۔ سنا گیا ہے کہ جنازہ کے ہمراہ ڈھائی تین ہزار کا مجمع تھا اور مسلمان دوکانداروں نے دفن تک اپنی دوکانیں باظہار غم بند رکھیں فاتحہ سوم میں بھی مجمع کثیر تھا اور گیارہ قرآن شریف ختم کرکے ان کا ثواب مرحوم کی روح کو بخشا گیا اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے ہم کو اس حادثہ میں حکیم صاحب مرحوم کی بیوہ اور دیگر اعزا سے دلی ہمدردی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم سب کو صبر جمیل حاصل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) فرخ آباد کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ اہلیہ منشی محمد مجتبیٰ علوی خلف حکیم حکیم الدین علوی صاحب مرحوم (گوہنی) کا بمرض سینہ انتقال ہو گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ہم اس حادثہ میں محمد مجتبیٰ اور دیگر اعزا سے اظہار ہمدردی کرتے اور مرحومہ کیلئے دعاء مغفرت کرتے ہیں

متفرقات

(۱) باوجود بعد نماز مغرب آسمان بالکل صاف ہونیکے ۲۹ شعبان بروز پنجشنبہ چاند نظر نہیں آیا بہت لوگوں نے جمعہ کو روزہ رکھا بعضوں نے قبل دوپہر انتظار کرکے جب کہیں سے اطلاع چاند ہونیکی نہیں آئی روزہ کھول ڈالا۔ لیکن اکثروں نے تمام دن روزہ رکھا کئی دن کے بعد مختلف مقامات پر ۲۹ کو چاند ہونے کی اطلاعیں ملیں اسلئے یکم رمضان جمعہ کی ہوئی۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔

(۲) پراونشل حج کمیٹی۔ یو۔پی کو بمبئی سے اطلاع ملی ہے کہ "جہانگیر" جہاز جو ۱۱ر اکتوبر ۳۶ء کو روانہ ہوا تھا ۲۵ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بعافیت حاجیوں کو لیکر جدہ پہونچ گیا۔ مغل لائن ٹرنر ماریسن کمپنی کا تیسرا جہاز "خسرو" ۱۹ر نومبر ۳۶ء کو بمبئی سے براہ کراچی جدہ کے لئے روانہ ہوگا۔ جس میں ۶۰ ۱۳ حاجیوں کی گنجائش ہے۔ ۴۴ اول ۲۰ دوم درجوں اور ۱۲۹۶ عرشہ جہاز کے لئے

(۳) مڈل اسکول کے ڈبیٹنگ کلب کا ماہواری جلسہ ۲۲ر اکتوبر ۳۶ء کو زیر صدارت ماسٹر اظہار الحسن انگلش ٹیچر منعقد ہوا تھا۔ اولاً محمد صغیر متعلم درجہ ششم نے اردو میں خوش الحانی سے حمد پڑھی۔ بعدہ رام کمار متعلم درجہ ہفتم نے کچھ اشعار ہندی الشور پرآتھنا پر پڑھے۔ حمد پرآتھنا کے بعد مجوزہ مضمون "شہری و دیہاتی زندگی" پر مختلف طلبار نے تقریریں کیں مقررین میں محمد صغیر متعلم درجہ ششم کی تقریر بہت پسند کیگئی۔ طالب علم مذکور نے دیہاتی زندگی کی موافقت میں بلا جھجک تقریباً ایک گھنٹہ تقریر کی طلبہ کی تقریروں کے بعد مولوی عبدالغنی مدرس نے طلبہ کو تقریر کرنے و مضامین لکھنے کے طریقے مناسب و موزوں الفاظ میں بتائے۔ آخر میں جناب صدر نے اپنی فیصلہ کن تقریر میں شہری و دیہاتی زندگی پر کافی روشنی ڈالتے ہوئے۔ دیہاتی زندگی کے حق میں رائے دی سکریٹری نے آئندہ جلسہ (۲۲ر نومبر ۳۶ء) کو کامیاب بنانے کی اپیل کرتے ہوئے صدر کے شکریہ پر جلسہ کو ختم کیا۔ آئندہ جلسہ کے لئے مضمون "علم و دولت کا مقابلہ" تقریر کے لئے تجویز ہوا۔

(سکریٹری)

(۴) معلوم ہوا ہے کہ منشی ظہیر احمد علوی نے تمام سلطانپور کے اپنے احباب اور اعزہ کو بتاریخ ۳۰ر اکتوبر پر تکلف پارٹی دی پارٹی کے بعد قوالی کی بھی مجلس منعقد ہوئی جس سے لوگوں نے روحانی کیفیت حاصل کیا۔ قوالی کا سلسلہ بڑی رات تک رہا۔ دوسرے دن حسب معمول منشی صاحب کیطرف سے عام میلاد شریف ہوا جس میں بکثرت لوگ شریک ہوئے تھے۔ کاکوری سے بھی بعض اعزہ شرکت کے لیے سلطانپور گئے تھے۔

بقیہ مضمون صفحہ ۴

اپنے روبرو نظر آئی جس نے بتاکید مجھسے لاحول پڑھنے کی فرمائش کی اور میری زبان پر بے اختیار لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم جاری تھا۔

میرے کانوں نے ایک مہیب و کرخت آواز سنی "خیر اس مرتبہ تو بچ گیا مگر یاد رکھ تو اے شخص کہ اس واقعہ کا ذکر کبھی تیری زبان پر نہ آئے ورنہ تیری جان کی خیر نہیں"

صبح جو اٹھا تو میں اپنے بستر پر تھا اور ایک خوف کا عالم طاری تھا۔

"دو بیر حسن" اب بھی آتے جاتے رہتے ہیں، میری روح ان کو دیکھکر لرز جاتی ہے، جسم تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ وہ مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ یار کیا بات ہے۔ اب تم وہ اگلے سے شگفتہ دل نہیں رہے اور میں ان کے چہرے سے نظریں ہٹا کر خاموش رہ جاتا ہوں۔

اس واقعہ کو رونما ہوئے بھی پچیس برس کا طویل عرصہ گذر گیا مگر آج تک وہ خوفناک منظر میری آنکھوں کے آگے پھر رہا ہے اسکے نقوش کسی طرح مٹنے نہیں آتے۔

بقیہ مضمون صفحہ ۳

ہوائی جہاز اور اسکی برق وش پرواز ہوتی ہے یہاں پر غیر مناسب نہو گا اگر انگریزی کے دو مشہور افسانوں کا تذکرہ کر دیا جائے۔

باقی آئندہ

(دی یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں باہتمام سید توسل حسین چھپوا کر دفتر کاکوری اخبار مولوی محلہ (لال باغ) سے سید محمد شبیر الدین نے شائع کیا)